پشتون شاعر عبدالرحمن بابا کے کلام میں تصوف کا رنگ

Mysticism in Pashtoon Poet Abdurrahman Baba's Poetry

Abdul Wahab Jaan Al- Azhari

Lecturer, Faculty of Asool-u-Din

International Islamic University, Islamabad

Abstract

The Sufi attitude of tolerance and openness stresses mutual cooperation especially among Muslims and serves as an antidote against narrow-mindedness. Rahman Baba is a poet of such a class of Sufis. His love-filled lyrics carry the scent of universal harmony, drawing from the love of Allah and his beloved Prophet(ﷺ). His message is love for all mankind. Although we do not find a clearly demarcated theory in his poetry, there is still a Sufi trend found in it. He advised to know oneself in order to know Allah. The current paper highlights such themes in Rahman Baba's poetry.

Key Words: Tolerance, Openness, Muslims, Rahman Baba, Poetry, Sufi Trend, Themes

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں رحمان بابا پشتو کے تمام قدیم وجدید شعراء میں سب سے زیادہ مقبول، معروف اور محترم ہیں وہاں ان کے حالات زندگی اور سوانح حیات پر ایسی کوئی مکمل اور مستند تحریر موجود نہیں ہے جس سے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہوسکیں حالانکہ وہ کسی

عہد عتیق سے تعلق نہیں رکھتے کہ آثار قدیمہ میں ان کی تلاش میں دشواریاں درپیش ہوں۔ ان سے قبل کے زمانے کے متعدد پشتو شعراء کے حالات زندگی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ علم وفضل اور شعروادب کے میدان میں بابائے پشتو شاعر خوشحال خان خٹک (۱) کے سوا پشتو کا کوئی دوسرا شاعر رحمان بابا پر تفوق تو کیا ان کی ہمسری بھی نہیں کرسکتا۔ وہ خوشحال خان خٹک کے ہم عصر اور پشتو ادب کے تابندہ و درخشاں دور کے آخری شاعروں سے تعلق رکھتے ہیں اور رحمان بابا خان اعظم خوشحال خان خٹک سے عمر میں چھوٹے تھے اور انہوں نے اورنگزیب (۲) کے دور ہی میں وفات پائی تھی۔ اس اعتبار سے رحمان بابا خوشحال خان خٹک کے مقابلے میں ہمارے ماضی کے قدرے قریب بھی ہیں۔

رحمان بابا آج سے، تقریباً چار سو سال پہلے ۱۰۴۳ھ میں پیدا ہوئے، تقریباً ۸۰ سال زندہ رہے۔ رحمان بابا پشاور (خیبر پختونخواہ) جیسے مشہور تاریخی شہر اور وسط ایشیا کے تجارتی مرکز پشاور کے بالکل قریب ایک ایسے گاؤں میں پیدا ہوے جس کے نوجوان دوپہر کو روزانہ شہر کی سیر کرنے اور قہوہ خانوں میں چائے پینے آتے اور اندھیرا ہونے سے پہلے اپنے گاؤں واپس چلے جاتے۔

رحمان بابا نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر کافی عرصے تک کوہاٹ میں اکتساب علم کرتے رہے جو شہر پشاور سے چالیس میل جنوب کو واقع ہے۔ بعض اصحاب کی تحقیق کے مطابق حصول علم کی لذت انہیں کشاں کشاں بہارت بھی لے گئی تھی تاہم انہوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ کچھ اپنے گاؤں بہادر کلی اور کچھ ہزارخوانی میں گزارا ہے۔ (۳)

رحمان بابا پشتو شاعری کا وہ اہم نام ہے جو جھونپڑوں سے حجروں اور حجروں سے لیکر درباروں تک بیک وقت مقبول، محترم اور معتبر سمجھا جاتا ہے۔ جسکی درویشی کے چرچے کوچہ و بازاروں میں اور جسکے نغمے دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر روح کو معطر کرتے ہیں۔ رحمان بابا جس رتبہ ومقام سے اپنے کلام اور اپنے کمال سخن کے بارے میں اظہار کرتے ہیں وہ انکا حصہ ہے۔ انہوں نے اپنے فن کے بارے میں کئی مقامات پر اپنے اشعار کے بارے میں یوں کہا ہے:

جیسے گوہر اور مرجان کو ترازو میں کوئی نہیں تولتا
ویسے ہی رحمان کے شعر گوہر ہیں انہیں مت تول

رحمان بابا صوفی منش تھے اور انکے کلام کا موضوع تصوف رہا ہے۔ انکے کلام میں انھی کیفیات کا اظہار ملتا ہے جس سے سلطان باہو (۴)، سچل سرمست (۵)، شاہ حسین (۶)، شاہ عبداللطیف (۷) اور خواجہ فرید (۸) کی

شاعری عبارت ہے۔

رحمان بابا کے کلام میں مذہب عشق سے متعلق افکار وجذبات کا دفینہ ہے۔ اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو عصر حاضر کے بعض منفی افکار کے پیدا کردہ مہلک رویوں کا سد باب کر سکتے ہیں۔ جنکی بدولت انسان دوستی کی قیمتی روایت کو تازہ خون فراہم کیا جاسکتا ہے۔

صوفیانہ کشادہ دلی اور رواداری کا مسلک بالخصوص مسلمانوں میں اشتراک کے پہلوؤں پر زور دیتا ہے اور یوں کٹر مقامیت کے پھیلاے ہوئے تنگ نظری کے زہر کا تریاق ہے۔ رحمان بابا اسی مسلک کے شاعر ہیں۔ انکی عشق سے سرشار کیفیات میں کائناتی ہم آہنگی کا احساس شامل ہے۔ انکا بنیادی فکری اور جذباتی عرفان ذات باری تعالیٰ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہے۔

انکا پیغام محبت ہے۔ تمام بنی نوع سے محبت، ساری کائنات سے محبت۔ وہ اگر نفرت کرتے ہیں تو ظلم سے، استحصال سے، جبر وتشدد سے، بے انصافی سے اور یہ ہی انکی متصوفانہ شاعری کی بنیاد بنتے ہیں۔

رحمان بابا کے افکار کو زندگی کی حرارت انکی شاعری سے نصیب ہوئی۔ انکے کلام میں تصوف کا کوئی معروف یا مسلمہ نظریہ تو نہیں ملتا البتہ خدا اور کائنات کے حوالے سے صوفیانہ فکری رویہ ضرور نظر آتا ہے اور یہ عرفانِ ذات یا تلاش ذات کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ انکی منزل خداشناسی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ منزل خودشناسی کی دشوار گھاٹیوں سے گزر کر حاصل ہوسکتی ہے۔ انسان کے نفس کے اندر خارجی مفاہیم اور اشیاء کا پرتو تلاش کرنا رحمان بابا کے کلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ انکی شاعری مذہبی اور اخلاقی شاعری ہے جسمیں عشق الٰہی بنیادی عنصر ہے۔

زاہدانہ زندگی:

رحمان بابا درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے رحمان بابا تحصیل علم میں مصروف ومشغول رہے۔ پھر وہ اعلیٰ جذبات اور بلند افکار کی بناء پر عام انسانوں کی دنیا سے نکل گئے اور انہوں نے ذکر وفکر اور شعروشاعری کی الگ دنیا بسائی۔ دنیاوی کاموں میں ان کا جی نہ لگا۔ وہ خود اپنی مفلسی کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر بھی کبھی کسی کے در پر مانگنے نہیں گئے اور نہ انہوں نے کسی کا ممنون احسان ہونا گوارا کیا۔ فرمایا:

په خادی خاد شوے نه ده چه　　تورتپ سوے یم په غم دهر اشنا
که زه طمع، توقع دبله نه کړم　　د بل طمع توقع کیگی له ما

کہ مے ورور کہ مے عزیز کہ مے فرزند دے | واڑہ غواڑی اخپلہ اخپلہ مدعا
پہ ہر کور کے رنزوران راتہ پراتہ دی | لاس مہ نہ رسی د ہیچا پہ دوا
د دنیا خبرے واڑہ پہ دنیا شی | مابہ سہ کا سوک چہ نہ لرم دنیا
چہ پرے نہ وی سہ پورہ او نہ نیمگڑے | سوک پہ سہ کا لہ ہغوسرہ خندا
چہ یی خہ توخہ وبلہ سرہ نہ شی | د ہغی اشنا بہتر دے نا اشنا
پہ تودہ زمکہ استوگنہ دہ مشکلہ | سہ بہ زیست شی لہ رحمان سرہ د چا(۹)

''میں نے کسی کی خوشی نہیں دیکھی ہے۔ ہر آشنا اور ہر دوست کے غم میں جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو گیا ہوں۔ میں اگر کسی سے طمع توقع نہیں رکھتا تو دوسرے لوگ مجھ سے طمع کی توقع رکھتے ہیں۔خواہ میرا کوئی بھائی ہے یا عزیز اور بیٹا سب کے سب اپنا مطلب و مدّعا چاہتے ہیں میرے ہر گھر میں بیمار پڑے ہیں لیکن میں کسی کی دوا دارو کی طاقت نہیں رکھتا۔ دنیا کے سارے امور دولت ہی سے انجام پاتے ہیں۔ جب میرے پاس دولت نہیں ہے تو کوئی کیا کرے گا۔ اگر چہ میرا گھر گاؤں میں واقع ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ گھر نہیں بلکہ صحرا میں قبر ہے؛ جن سے کسی اچھائی یا بھلائی کی امید نہ ہو ان کے ساتھ کوئی ہنسی خوشی کی زندگی کیوں کر گزر سکتا ہے۔ جو یار آشنا کسی کے کام نہ آئے اس سے تو نا آشنا ہی بہتر ہے۔ گرم زمین پر بسیرا مشکل ہے رحمان کے ساتھ کوئی کیونکر زندگی بسر کر سکتا ہے۔''

رحمن بابا نے خودداری بے نفسی اور بے احتیاجی کی زندگی بسر کرنے پر بے اندازہ زور دیا ہے۔ رحمان بابا کیوں تارک الدنیا ہو گئے تھے؟ اس کا ایک جواب ان کے ذیل کے اشعار میں ملتا ہے:

ہزار حیف دے چہ داہسے رنگہ چارے | واقع کیگی د دنیا پہ سود وزیان
پہ عیسی او پہ دجال کے گناہ نشتہ | ڈیر مکرونہ دی، د نفس د شیطان
عزیزان یے سرہ اووژل پہ خپلہ | دا ہمہ واڑہ تقدیر دے د سبحان
ہسے نہ چہ دادے وکڑہ، نور بہ نہ کڑے | چہ یئے زڑہ شی ہغہ کاندی بادشاہان
شاہ عالم اعظم تہ گورہ چہ یئے سخا کڑو | پہ خونو واڑہ ملک د ہندوستان
و دارا و اورنگزیب وتہ حیران یم | چہ یی سہ چارے واقع شوے ترمیان
د حسن حُسین غزا د سوک پہ زڑہ کہ | چہ ہمہ واڑہ پہ تیغ شول شہیدان

ہرچہ اہل د دنیا دی، حال یی دادے — کہ سړی دی کہ پیر ی دی کہ حیوان
ادم زاد پہ مزکہ یوبل سرہ وژنی — پہ دریا کے سرہ غوخے خوری ماہیان
لکہ غوخے چہ ماہیان خوری پہ دریاکے — پہ ہواکے ہم دغہ کاندی مارغان
چرندہ کہ پرندہ دی د دیِ دہر — ہسہ واڑہ یوتربلہ مشت وگریوان
مرداری، ددے دنیاخوہم دغہ دہ — زکہ بیرتہ ترنہ گرزی درویشان
مکاری ددے دِنیاہ ہومرہ نہ دہ — چہ رحمان یی چاتہ وکاندی بیان(۱۰)

ہزار حیف ہے کہ دنیا کے سود وزیان پر اس قسم کے ظالمانہ واقعات رونما ہوئے ہیں، جن میں عیسٰی اور دجال کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ سب نفس اور شیطان کے مکر ہیں جس نے اعزّہ اقربا کو آپس میں کٹ مروایا لیکن یہ سب کچھ تقدیر الٰہی بھی ہے۔ یہ بات نہیں کہ جو کچھ ہوا ایسا مزید نہیں ہوگا۔ بادشاہوں کے دل میں جو آئے وہی کر گزرتے ہیں شاہ عالم اعظم کو دیکھیے کہ اس نے قتل وخون سے سارا ہندوستان کتنا گندا کر دیا ہے۔ پھر دارا اور اورنگزیب کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہوں کہ ان کے مابین کیا کچھ نہیں ہوا۔ حسن وحسین کے جہاد (واقعہ کربلا) کو یاد کیجیے۔ وہ بھی سب کے سب تلوار سے شہید ہو گئے۔ جو بھی اہل دنیا ہیں سب کا یہ ہی حال ہے۔ خواہ جن وانس ہیں یا حیوان۔ آدم زاد زمین پر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ دریا میں مچھلیاں ایک دوسرے کا گوشت کھا رہی ہیں۔ پرندے بھی ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ اس دنیا کے چرندے ہیں یا پرندے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں۔ دنیا کی اس مکاری ومرداری کے سبب، یہی درویش اس سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

رحمان نے دنیا ترک کی تھی، وہ حالت استغراق کو پہنچے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ خالی خولی یا بے عمل صوفی یا بیکار ڈنڈے باز اور چرسی بھنگی ملنگ نہ تھے اور نہ وہ قلندر وملنگ تھے۔ جو بھاری تن توش کے ساتھ بھیک مانگتا ہو، درحقیقت رحمان ایسے ملنگ تھے۔ جو خود تو دنیائے ناپائیدار کے سامان واسباب سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اپنے اردگرد کی زندگی وعوام کی حالت سے غافل نہیں تھے۔

فقر:

فقر حقیقی سے انسان میں استغنا، بے نیازی اور جود وبخشش کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسے دیکھ کر دنیا پرست ایک عجیب شش وپنج میں پڑ جاتے ہیں اور وہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ایسے شخص کو امیر کہا جائے یا فقیر۔

رحمان بابا کے بارے میں بھی لوگ طرح طرح کی چہ مگوئیاں کرتے ہوں گے۔ اس لیے انہیں یہ کہنا پڑا کہ مجھے خواہ فقیر سمجھو یا امیر میں بظاہر گدا ہوں لیکن حقیقت میں شہنشاہ بلکہ حاتم دوراں ہوں کیونکہ میرے پاس تو جو دولت آتی ہے اسے دلبروں کے سر کے صدقہ کر کے بطور خیرات بانٹ دیا کرتا ہوں۔ فرمایا:

کہ مہ سوک پہ فقیری شمیری فقیر یم
کہ می سوک پہ امیری شمیری امیر یم
د دلبرو صدقی لرہ ئی غواڑم
ہسے نہ چے پہ دنیاپسی زہیر یم(۱۱)

اگر کوئی مجھے فقیر سمجھتا ہے تو میں فقیر ہوں، اگر کوئی امیر سمجھتا ہے تو میں امیر ہوں، میں دولت اپنے دوستوں پر خرچ کرنے کے لیے مانگتا ہوں، ایسا نہیں ہے کہ میں دولت کے پیچھے مر رہا ہوں۔ کہتے ہیں:

قناعت م دخرقے لاندے اطلس دے — پٹ د درست جھان بادشاہ، ظاھر گدا یم(۱۲)

میری قناعت خرقے کے اندر پنہاں اطلس ہے، میں باطن میں سارے جہاں کا بادشاہ لیکن بظاہر گدا ہوں۔

عبدالرحمن صاحب خوشحال خاں خٹک کی طرح سردار یا کسی علاقے کے خان نہیں تھے بلکہ ایک غریب ملّا تھے۔ البتہ ان کا دل بادشاہ تھا جو دولتِ محبت سے معمور تھا۔ نہ تو وہ عالمگیر کی پروا کرتے تھے اور نہ انہیں شاہجہان کی بادشاہی اور خانی کی ضرورت تھی ان کا تو بس ایک کاروبار تھا۔

زہ دیار پہ دردوغم کے غرقاب خوخ یم — پہ دے اور کے بے طاقتہ، بیتاب خوخ یم(۱۳)

میں محبوب کے دردوغم کے سمندر میں غرق ہو چکا ہوں۔ اس آگ میں بے تاب وتواں ہی خوش ہوں۔

رحمان بابا ان فقیروں اور درویشوں میں ہرگز شمار نہیں ہو سکتے جو ترک دنیا پر اکتفا کر کے ذاتی سکون و سلامتی کی گود میں جا بیٹھے۔ انہوں نے محض اپنے ذاتی سکون کے لیے نہیں بلکہ اپنے ماحول اور معاشرہ میں ایک خوشگوار انقلاب لانے کی غرض سے دنیا سے اس حد تک کنارہ کشی کی تھی کہ اس کی دلدل میں پھنس کر فنافی الدنیا نہ ہو جائیں۔ وہ دنیا سے بس اتنی غرض رکھتے تھے جو تن وروح کا تعلق قائم رکھنے کے لیے ضروری ہو۔ اس سے زیادہ نہیں اور اپنی تمام تر توجہ ان بلند اور پاکیزہ افکار کی ترویج وترقی پر مبذول فرماتے رہے جن کو اگر میدان عمل میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو دنیا کی پریشانیاں اور الجھنیں دور ہوں اور انسان کی ترقی وخوشحالی میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو۔ رحمان بابا اصل میں اپنے ہی اس شعر کی تفسیر تھے:

پہ دنیا کے لہ دنیا گوشہ کنارشہ سمندرغوندے پہ اور کے گلغدارشہ (۱۴)

دنیا میں رہ کر ہی اس سے کنارہ کش رہ۔ آتشیں کیڑے کی طرح آگ میں رہ کر گلغدار نہ بنا۔

رحمان بابا اپنے ایک بلیغ شعر میں یوں گل افشانی کرتے ہیں:

دلتہ دم اوقدم دواڑہ پہ حساب دی پل غلط لہ لاری مہ کیگدہ بے حسابہ

راستولے خدائے حساب دے پہ کتاب کی خبر زد کہ لہ حسابہ لہ کتابہ (۱۵)

تیرا ہر قدم کا حساب رکھا جاتا ہے خیال رکھ ذرا ہٹ کر ادھر ادھر غلط قدم نہ رکھو۔ خدا نے کتاب میں حساب بھیجا ہے۔ لہٰذا حساب اور کتاب کا سبق سیکھو۔

عشق:

اگر آپ سچے عاشق بننا چاہتے ہیں اور آپ کے قدم ہمیشہ عشق کے راستے پر پڑے تو آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ عقل اس سفر میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے عقل اور دلائل سے عشق کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ فقط یقین اور توکل اس سفر میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ رحمان بابا یوں سخن طراز ہیں کہ:

مجنون غوندی پہ عشق کے سوک صادق شی د لیلی پہ دروازہ کے دربان نشتہ (۱۶)

مجنون کی طرح اگر عشق میں کوئی صادق ہو تو لیلی کے دروازہ پر دربان نہیں۔

اور اس راستہ میں اگر وہ تختہ دار پر بھی پہنچے تو یہ ان کی معراج ہوتی ہے جیسا کہ منصور حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

کہ ئی سر لکہ دمنصور غوندی پہ دار شی دغہ دار دے ورحمن وتہ معراج (۱۷)

اور رحمن بابا کے نزدیک منصور حلاج، شاہ جہاں اور اورنگزیب جیسے بادشاہوں سے زیادہ افضل اور بہتر ہے، کہتے ہیں کہ:

اورنگزیب او شاہ جہاں غوندی اشراف صدقہ شہ تر منصور غوندی نداف (۱۸)

اس میں شک نہیں کہ کاروبار عشق ہی رحمان بابا کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہ فنا فی المحبوب ہو چکے تھے اور انہوں نے اس کا اظہار شعر کی زبان سے حسین پیرایہ میں کیا ہے:

زہٙ عاشق یم سرو کارم دے لہ عشق نہ خلیل، نہ داوٙد زئی یم نہ مھمند (۱۹)

میں عاشق ہوں اور عشق سے ہی سروکار رکھتا ہوں۔ میں خلیل داوٙدزئی یا مہمند نہیں ہوں۔

زہ پہ تاباندے مبین یم لہ ازلہ نہ چہ کڑے مے نن ورز دے ابتداء (۲۰)

میں روز ازل سے تیرا عاشق ہوں، میرے عشق کی ابتداء کوئی آج سے تھوڑی ہوئی ہے:

خہ چہ تن مے تومنہ شو یو پہ عشق کے اول ساسکے دا شبنم ووم، اوس دریا شوم(۲۱)

اچھا ہے جو میرا تن عشق میں نیست و نابود ہو گیا، پہلے میں شبنم کا قطرہ تھا اب دریا ہو گیا ہوں۔

دا زما دیار جلوہ دا چہ لیدے شی لکہ نمر پہ صومعہ پہ سومنات

یہ میرے محبوب کا جلوہ ہے جو دھوپ کی طرح صومعہ اور سومنات پر نظر آتا ہے۔

دا حجاب چہ نور عالمے حجاب بولی چہ وی دا زما او یار تر میانہ حجاب نہ دے(۲۳)

یہ حجاب جسے باقی دنیا حجاب کہتی ہے یہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان حجاب نہیں ہے۔

نورد شمع کلہ پہ فانوس پٹیگی تاچہ واغوستے د خیال جامے نری(۲۴)

شمع کی روشنی فانوس سے کب چھپتی ہے تو نے جو خیال کے باریک کپڑے پہن لیے ہیں۔

تصوف جس قوم اور مذہب میں موجود رہا اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مذہب اور قومیت سے بالاتر ہے جو ذاتی ادراک رسائی اور عشق کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ ادراک رسائی حصول قوت ہر چیز شخصی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ہر چیز کے لیے بنیادی شئے عشق اور عشق آفاقی ہے یہ قومیت اور مذہب کی پراہ نہیں کرتی۔ رحمان بابا نے یہ ہی آفاقی عشق اور تصوف کا سچا راستہ اپنایا تھا اور وہ مذہب اور قومیت کو اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹیں سمجھتے تھے۔ اس راستے میں یہ ہی رکاوٹ مذہب ہو یا کچھ اور اس کی تردید اس طرح کی ہے:

عشق سہ ہسے علم نہ دے چی حاصل شی لہ مکتبہ

مکتب حال دمذہب و ائ عشق سیواد ے لہ مذہبہ(۲۵)

عشق کوئی ایسا علم نہیں جو مکتبوں میں پڑھنے سے حاصل ہو۔ مکتب مذہب کا درس دیتا ہے اور عشق مذہب سے اونچی چیز ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

چی مجنون غوندی پہ مینہ کے صادق وی رحمان وائی پہ ہغوی باندی سلام(۲۶)

جو مجنون کی طرح عشق میں صادق ہو، رحمان اس پر سلام بھیجتا ہے۔

بادشا ہانو کہ قصرونہ کڑل آباد ما د عشق عمارتونہ کڑل آباد

نوم د کوم یو بادشاہ ہسی یاد یگی لکہ نوم چی د مجنون او د فرھاد(۲۷)

رحمان بابا کے نزدیک ان بادشاہوں اور سلاطین کا انجام کیا ہوا، لوگ ان سے زیادہ مجنوں اور فرہاد کو یاد

کرتے ہیں، ہیں نے بھی عشق کی عمارتوں کو آباد کیا، جبکہ بادشاہوں نے اپنے محلات آباد کیے۔

عبدالرحمان بابا کو کامل یقین ہے کہ اس کا عشق اس کو ازل سے نصیب ہے اس لیے وہ اپنی قسمت پر بھی نازاں ہیں، راضی اور شاکر بھی ہے۔

خدایا زماپہ برخہ عاشقی کہ لہ ازلہ خوخ یم پہ دے برخہ کہ ترخہ دہ او کہ شیرینہ(۲۸)

رحمٰن بابا نے تصوف کے لیے آفاقی جذبہ اور عشق کو لازمی گردانا ہے لیکن ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کی طرح دنیا کے مطابق مسئلوں پر اشعار لکھے ہیں اور دنیا کی اہمیت پر اپنی فکر اجاگر کی ہے اپنے صوفیانہ مسلک میں رحمان ہر ایک مذہب کی تردید کرتے ہیں لیکن اسلامی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

حقیقی عشق کے لیے مجازی عشق کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ''المجاز قنطرۃ الحقیقۃ'' مجاز حقیقت کے لیے ''پل'' ہے۔ لیکن رحمان بابا عشق مجازی کی اس کیفیت میں انہیں قرار اس لیے نہیں کہ وہ عشق مجازی کو مدعا آخر نہیں گردانتے، بلکہ وہ عشق کی اس منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں جو حقیقت ہے اور زندگی کا مقصود و مفہوم بھی ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے خود کو فنا کرنا پڑتا ہے۔

ان کا عشق حقیقی ہے لیکن کہیں کہیں اس پر مجاز کا بھی گمان ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو مجاز و حقیقت شیر و شکر بن کر نظر آتے ہیں۔ حسن پر مرمٹنا عاشق کے مقدر میں ہے اور حسن چاہے حقیقی ہو یا مجازی نا قابل تقسیم ہے؛ بہر حال حسن ہی حسن ہے۔ رحمان بابا ان خاص لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عشق و محبت کا مقام بلند کیا جو ان کے بلند ادبی احساسات کا نتیجہ تھا۔ ان کا جذبہ بہت زیادہ پاکیزہ تھا اور وہ سب کچھ اسی جذبہ کے تحت لکھتے رہے لیکن رحمان بابا نے محض عشق و محبت پر اکتفا نہیں کیا ہے فکر و فلسفہ اور علم و خبر کی باتیں بھی کثرت و تکرار کے ساتھ کی ہیں، انہوں نے بہادری و شجاعت اور عزم و ہمت کی تعلیم بھی دی ہے، غیرت و عزت کی پاسبانی کے درس بھی دیئے ہیں اور زندگی کی نگہداشت پر بھی زور دیا ہے۔

پٹھانوں میں صوفی وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو دنیا کی آلائشوں سے پاک سادہ مزاج اور نیکی و شرافت کا مجسمہ ہو اور اگر ان خوبیوں کے ساتھ علم و فضیلت کا مالک بھی ہو تو ولی اللہ اور بزرگ کے القاب و خطاب پاتا ہے، رحمان بابا نہایت مفکر فطرت والے انسان تھے، بہت بڑے عالم، بلند پایہ ادیب اور انقلابی شخصیت تھے۔ وہ ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے اور فکر و نظر کے اعتبار سے بھی ان کی روش عام دنیا سے جداگانہ تھی۔ گزر بسر میں بھی عام لوگوں سے الگ تھے۔

اخلاق:

تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے، کتانی کہتے ہیں کہ: ''التصوف خلق''

عبدالرحمان بابا نے بھی اپنے اشعار میں اصلاح اور اخلاق کا درس دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

کر دگلو کڑہ چی سیمہ دے گلزارشی ازغی مہ کنہ پہ خپوکی بہ دی خارشی

کہ بل بد کاندی تہ ورسرہ خہ اوکہ ہر یونخل چی میوہ لری سنگسا رشی(۲۹)

ہمیشہ پھولوں کو بویا کرو کہ تیرا راستہ پھولوں سے بھر جائے، کانٹوں کو مت بویا کرو تیرے ہی پاؤں میں چبھ جائیں گے۔ اگر کوئی تمہیں دکھ دے تو بدلے میں اچھائی کرو، جو درخت میوہ دار ہوں وہ سنگسار ہو جاتا ہے۔

پیر اور مرشد کا تعلق:

تصوف کے اصطلاح میں مرشد اس انسان کو کہتے ہیں جو اپنے بصیرت کی بدولت مریدوں کو صراط مستقیم سکھاتا ہے۔ اور جب مرید اپنے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اپنے مرشد کے وساطت سے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے۔ عبدالرحمن بابا نے بھی اپنے اشعار میں ایک مرشد کامل کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

بے رہبرہ رسیدو یار تہ گران دی دلتہ بویہ چی پیدا کاندی رہبر سوک(۳۰)

بغیر رہبر (مرشد) کے یار تک پہنچا مشکل ہے. دلبر وہ ہے جسے رہبر مل جائیں۔

معرفت:

معرفت دخدائے سرگند دے پہ ہر سہ کے سترگی وخورہ چی سوک ہومرہ نظیر نہ کا(۳۱)

خدا کی معرفت ہر چیز میں ظاہر ہے وہ اندھا ہو جائے جسے یہ نظر نہ آتا ہو، اگر کوئی معرفت خداوندی سے محروم رہا تو عبدالرحمان بابا اس کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

چی دخدائے لہ معرفتہ خبرنہ شوم معلو میگی چی یا دیو یم یا دواب یم

لکہ بت چی پہ رنو سترگو اودہ شی ہسی زہ پہ بیداری کے وڑے خواب یم(۳۲)

اگر مجھے خدا کی معرفت نہ ہوئی تو گویا کہ میں یا تو دیو ہوں یا جانور، اگر میری شکل انسانوں جیسی ہے تو کیا ہوا، میری مثال تو چوپایوں جیسی ہے، جس طرح بت کھلی آنکھوں کے باوجود

سو یا ہے اسی طرح مجھے بیداری میں بھی خواب نے دبوچا ہے۔

رحمان بابا کی اس شاعری پر قرآن کریم کی یہ آیت واضح طور پر گواہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ"(۳۳)

اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے جنّوں اور انسانوں میں سے بہت سے (افراد) کو پیدا فرمایا وہ دل (و دماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ، وہی لوگ ہی غافل ہیں۔

نظریۃ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود۔(۳۴)

سالک پر وحدت الوجود اور وحدت الشھود کے افکار کی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی اس پر وجود کی وحدت کے نغمے طاری ہو جاتے ہیں اور کبھی شھود کے اشارے، صوفی شاعر کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ادراک کے جس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ اپنے شعر میں بیان کرتا ہے۔ عبدالرحمن بابا کی شاعری میں دونوں فلسفوں کی کیفیات کا اظہار موجود ہے۔ مثلاً وجود کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

خپل جانان می ھسی رنگہ وی پہ زڑہ کے نہ پوھیگم چی رحمان یم کہ جانان یم

خکتہ بدر راخکارہ شو پورتہ نمر خکتہ پورتہ واڑہ مخ دے د دلبر(۳۵)

نیچے ماہتاب نکل آیا اور اوپر آفتاب، اوپر نیچے سب میرے دلبر کا چہرہ ہے۔

اور جب شھود کا مشاہدہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ:

رحمان حسن دیار و یئم پہ پردہ کے نہ پٹیگی نورد حسن پہ فانوس(۳۶)

غیاب میں بھی حضوری ہے یار کی رحمان کہ روک سکتا نہیں نور شمع کو فانوس

دا زماد یار جلوہ وہ چی لیدے شی	لکہ نمر پہ صومعہ پہ سومنات(۳۷)

یہ میرے محبوب کا جلوہ ہے جو دھوپ کی طرح صومعہ اور سومنات پر نظر آتا ہے۔

رحمان بابا نے اگر ایک آدھ شعر ایسا کہا ہو جس سے وحدت الوجودی یا وحدت الشھودی کا گمان ان پر ہوتا ہے تو ایسے اشعار کے مقابلے میں ان کے وہ اشعار زیادہ ہیں جن سے ان کے توحیدی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ رحمان بابا کے نزدیک رب العالمین خالق کائنات ہے، اس کی ذات کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے وہ صانع ہے اور باقی سب اس کی مصنوعات ہیں۔

رحمان بابا پشتون شعراء کی نظر میں:

رحمان بابا کو صوفی کہنے والوں میں جید عالم اور بلند پایہ ادیب بھی شامل ہیں۔ چنانچہ رحمان بابا جن کی شخصیت کا محور بھی اسلامی تصوف تھا وہ بھلا اس اہم حصہ کے بیان سے کیونکر خاموش رہ سکتے تھے۔ ان کی شاعری اس پہلو سے اسلامی اخلاق کا ایک روشن نمونہ ہے۔ حمزہ صاحب (۳۸) اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم رحمان بابا کی شاعری سے وہ حصہ خارج کر دیں جو تصوف سے تعلق رکھتا ہے تو پھر ہمیں ان کے کلام کی زکوۃ بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ ان کا قریب قریب تمام کلام تصوفی افکار کا مرقع ہے اور ایک نقاد اور مبصر کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس پہلو پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالے۔ (۳۹)

رحمان بابا صوفیانہ شاعری کا ہر وصف رکھتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ پختون صوفی ہیں یعنی ان کا تصوف بھی پختون تصوف ہے۔ رحمان بابا مست ہیں، ملنگ ہیں، قلندر ہیں، لیکن ادب وتہذیب کے دائرے سے قطعاً باہر نہیں نکلتے۔ عالم مستی میں بھی پشتو ان کی رفیق ہے۔ خدائے پاک کی محبت انسان کو سب کچھ بھلا دیتی ہے گویا جان وجہان دونوں بیچ میں سے غائب ہو جاتے ہیں اور جب صوفی اس آخری مرحلے پر پہنچتا ہے تو ملنگ ہو جاتا ہے اور رحمان بابا خود کہتے ہیں کہ:

په ملنګ تاوان اوقلنګ نشته (۴۰)

ملنگ مالیہ اور تاوان سے آزاد ہے۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

په تصورم ز ان بادشاه کو چه سرم پورته کوملنګ د ونهے ومه (۴۱)

میں نے اپنے آپ کو تصور میں تو بادشاہ کر لیا۔ لیکن جب سر اٹھایا تو دھونی کا ملنگ تھا۔

دوست محمد خان کامل (۴۲) اپنی پشتو کتاب ''رحمان'' میں تصوف پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں صوفی کی حیثیت سے رحمان بابا کی عظمت کا راز ان کی شیریں اور پرسوز شاعری میں مضمر ہے اور یہ (خدا اور اس کی مخلوق سے محبت) تصوف کے ایسے اصول ہیں جو مذہب کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتے ہیں اور زیادہ عظمت و پاکیزگی کے سبب عوام میں مقبولیت پا گئی ہے۔ اگرچہ مخلصانہ فکر تحقیق و تدقیق اور تلاش حقیقت میں کاوش کی وجہ سے تو دوسرے صوفیانہ نظریات اور عقائد بھی قابل احترام ہو سکتے ہیں لیکن جو لوگ اس سے اتفاق نہیں رکھتے اور اسے حق کے نقطہ نظر سے ہرگز سبب عظمت سے ملحدین کے سوا اور کسی کو بھی انکار نہیں بلکہ انہیں بھی ایک حد تک ہی انکار ہوگا کیونکہ مخلوق کی محبت میں تو صوفی مومن اور کافر ہی نہیں، انسان اور حیوان میں بھی فرق روا نہیں رکھتا۔ لیکن اس پہلو کے ساتھ ساتھ رحمان بابا کے کلام میں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہس جن میں تصوف کے چہرے کے بعض علمی و نظری پہلوؤں کے جلوے اور تابانی و درخشانی بھی موجود ہے۔ (۴۳)

رحمان بابا ان صوفیہ کے گروہ سے تعلق نہیں رکھتے جو تصوف کے ایک مستقل فلسفے پر عمل پیرا ہوں۔ رحمان بابا کے جن اشعار سے ان کا صوفی ہونا ثابت کیا جاتا ہے یا بعض حضرات کو ان میں تصوف کے ساتھ ساتھ وحدت الوجودیت کی بات نظر آتی ہے ان کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صرف یہ ایک بات معلوم ہو گی اور وہ یہ کہ ان کے افکار اسلام کے بنیادی عقائد پر مبنی ہیں جس پر جملہ اہل اسلام متفق ہیں اور جو خواص اور عوام سب کا عقیدہ ہے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ پشتون شاعر اور فلسفی، ۱۰۲۲ھ

۲۔ مغلیہ خاندان کا شہنشاہ محی الدین اورنگزیب، ۱۶۱۸ء

۳۔ عبدالصمد خان، رحمان بابا شاعر انسانیت، پشاور: مکتبہ شاہین، ۱۹۷۴، ص: ۱۸

۴۔ سخی سلطان باہو، ۱۶۳۰ء

۵۔ سندھی زبان کا شاعر، ۱۷۳۹ء

۶۔ پنجابی زبان کا شاعر، ۱۵۳۹ء

۷۔ سندھی زبان کا شاعر، ۱۶۸۹ء

۸۔ پنجابی زبان کا صوفی شاعر، ۱۸۴۵ء

۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، مصحح ومدون عبدالروف بینوا، ص: ۲۰

۱۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۸۲

۱۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۲

۱۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱

۱۳۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۶

۱۴۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۰۴

۱۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۹۲

۱۶۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۱۳

۱۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۶

۱۸۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۶۴

۱۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۹

۲۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۵

۲۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۴

۲۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۴
۲۳۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۲۷
۲۴۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۳۰
۲۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۹۱
۲۶۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۵
۲۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۹
۲۸۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۱
۲۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۳۸
۳۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۶۷
۳۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۲۸
۳۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۳
۳۳۔ الاعراف: ۱۷۹
۳۴۔ بعض صوفیہ کے نزدیک وجود صرف ایک ہے جو واحد لاشریک ہے، باقی وجودوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اس کی ذاتی حیثیت کوئی نہیں، اس نظریہ کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا کہ ہر وجود کی ذات ہے وہ اس کی قدرت کاملہ پر گواہ ہے۔
۳۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۴۶
۳۶۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۵۵
۳۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۴
۳۸۔ امیر الشعراء، حمزہ خان، پشتو میں غزل کے اہم شاعر، ۱۹۰۷ء
۳۹۔ رحمان بابا اکیڈمی، پشاور: رحمان ادبی سوسائیٹی، سلورم ٹوک، ص: ۱۳۶
۴۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۸۲
۴۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۲۵
۴۲۔ پشتون شاعر
۴۳۔ شیر شاہ، ترخوی، رحمان اور قرآن، پشاور: جدون پریس، ۲۰۱۳ء: ص: ۲۵

♦♦♦